# دعوتِ اسلامی کیا ہے؟

شعبۂ تنظیم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

# بُنیادی عقیدہ

ہر وہ شخص جو سچے دل سے کلمۂ 'لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللہِ' کا اقرار کرتا ہے، مسلمان ہے اور جو ایسا نہیں کرتا وہ اسلام کے دائرے سے خارج ہوتا ہے۔ پہلا شخص اللہ کا محبوب اور اس کی رحمتوں کا مستحق ہوتا ہے اور اس کے لیے جنت کے دروازے کھلیں گے۔ جب کہ دوسرا شخص اللہ کے غضب کا مستحق ہوتا ہے اور آخرت کی ہمیشہ باقی رہنے والی زندگی میں اس کا ٹھکانا دوزخ ہوگا۔

یہ ہے وہ اصولی بات، جو قرآن کریم نے فرمائی ہے۔

سوچیے، جب سارے ہی انسان اللہ کے بندے ہیں، اسی نے سب کو پیدا کیا ہے اور وہی سب کو پال رہا ہے تو پھر یہ کیا بات ہے کہ صرف 'لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ' اور 'مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللہِ' کے دو جملوں کے اقرار سے آدمی اور آدمی میں اتنا فرق ہو جاتا ہے۔

یہ تو کوئی بھی نہیں مان سکتا کہ ان دونوں جملوں کے الفاظ کو صرف منہ سے نکال دینے میں کوئی ایسا جادو ہے، جس سے آدمی اور آدمی میں اتنا بڑا فرق واقع ہو جاتا ہے۔ واضح طور پر یہ فرق صرف ان باتوں کے ماننے اور نہ ماننے ہی کی وجہ سے پیدا ہو سکتا ہے، جو ان دونوں جملوں میں بیان کی گئی ہیں۔ جو شخص ان جملوں کا سچے دل سے اقرار کرتا ہے وہ دراصل دو بڑی اہم باتوں کا اقرار کرتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ دونوں باتیں میرے دل میں بیٹھ گئی ہیں۔ اور یہ ایک مانی ہوئی حقیقت ہے کہ جب کوئی بات آدمی کے دل میں بیٹھ جاتی ہے تو اس کا طور طریقہ بھی اسی کے مطابق ہو جاتا ہے۔ مثال کے طور پر ایک ایسے شخص کو لیجیے، جس کے دل میں روپے پیسے کی محبت بیٹھی ہوئی ہو۔ اس کا حال یہ ہوتا ہے کہ اس کی گفتگو سے، اس کے معاملات سے، اس کے تعلقات سے، غرض اس کی ہر بات سے آپ یہ محسوس کریں گے کہ یہ مال و دولت کا طلب گار ہے۔ صبح سے شام تک وہ جو دوڑ دھوپ کرے گا، جس طرح اپنا وقت صرف کرے گا، جس طرح کے کاموں میں دل چسپی لے گا، ان سب سے یہی بات ظاہر ہوگی کہ وہ صرف روپے چاہتا ہے۔ روپے کے

مقابلے میں نہ اسے تعلقات عزیز ہیں، نہ رشتے داری کا خیال ہے اور نہ دوستی کا کوئی پاس ہے۔ اسی طرح جن لوگوں کے دلوں میں وطن کی محبت بیٹھ گئی ہو، یا جنھوں نے عہدوں اور گدّیوں کا حاصل کرنا اپنا مقصد بنالیا ہو، یا جن کی نظریں کچھ علمی کارنامے انجام دینے پر جم گئی ہوں، آپ دیکھیں گے کہ ان کی ساری زندگی اس کے رنگ میں رنگی ہوئی ہوگی۔ ان کا اٹھنا بیٹھنا، سونا جاگنا، سب کچھ اسی مقصد کے لیے وقف ہوتا ہے، جسے انھوں نے اختیار کر رکھا ہے۔

اب آیئے ان دونوں جملوں کا مطلب اور ان کے اندر بیان کی جانے والی دونوں اہم باتوں کو سمجھیے، جن کا اقرار آدمی کو کافر سے مومن، ناپاک سے پاک اور جہنّمی سے جنّتی بنا دیتا ہے۔ ان جملوں کے ذریعے انسان، جن دو باتوں کا اقرار کرتا ہے ان میں سے پہلی بات تو یہ ہے کہ 'اللہ کے سوا میں کسی اور کو خدا اور معبود نہیں مانتا' اور دوسری بات یہ ہے کہ 'حضرت محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔' جب وہ یہ کہتا ہے کہ میں اللہ کے سوا کسی اور کو خدا نہیں مانتا تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس کے نزدیک پیدا کرنے والا صرف اللہ ہے۔ اس کے سوا کوئی اور ایسا نہیں، جس نے کسی کو پیدا کیا ہو یا پیدا کر سکتا ہو۔ وہی سب کا مالک، پروردگار اور اصل حاکم ہے۔ اس کے سوا کوئی دوسرا مالک نہیں، کوئی دوسرا حاکم نہیں، کوئی دوسرا روزی دینے والا نہیں، کوئی دوسرا دعاؤں کا سننے والا، قبول کرنے والا نہیں اور کوئی دوسرا ایسا نہیں کہ انسان اس کی بندگی کرے۔ یہ دنیا نہ تو آپ سے آپ بنی ہے اور نہ اس کے بنانے والے بہت سے ہیں۔ اس کا بنانے والا صرف ایک اللہ ہے۔ وہی سارے جہان کا مالک ہے، یہاں جو کچھ ہے اسی کا ہے۔ موت اور زندگی اسی کے ہاتھ میں ہے۔ مصیبت ہو یا آرام، سب کچھ اسی کی طرف سے ہوتا ہے۔ وہ دینا چاہے تو کوئی روک نہیں سکتا، وہ نہ دے تو کوئی دلا نہیں سکتا۔ وہی اس قابل ہے کہ انسان اس سے ڈرے اور اس کی ناخوشی سے بچے، اس کے سامنے ہاتھ پھیلائے، اُس کے آگے سر جھکائے، اس کی بندگی کرے، کیوں کہ وہ اس کے سوا کسی کا بندہ نہیں ہے، اس ایک ہستی کے سوا کوئی اس کا مالک اور آقا نہیں۔ اس لیے انسان کا اصلی کام یہ ہے کہ اس کا اور صرف اسی کا حکم مانے اور اس کے بتائے ہوئے قانون پر چلے۔

سوچیے کہ یہ اقرار کتنا بڑا اقرار ہے اور جب یہ اقرار دل سے کیا جائے تو زندگی پر اس کا کیسا کچھ اثر پڑنا چاہیے۔ جب ایک شخص نے سوچ سمجھ کر یہ اقرار کرلیا کہ اللہ کے سوا وہ کسی کو الٰہ اور معبود تسلیم نہیں کرتا تو یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ وہ پھر بھی اللہ کے سوا کسی اور کو اپنا حقیقی آقا اور مالک

مانے اور یہ سمجھے کہ وہ میری بگڑی بنا سکتا ہے، میری ضرورتیں پوری کرسکتا ہے، میری مشکلیں دور کرسکتا ہے، میری فریادیں سن سکتا ہے، یا مجھے کسی طرح کا نفع یا نقصان پہنچا سکتا ہے۔ اب تو اس کے دل میں خدا کے سوا کسی اور کا ڈر بیٹھ ہی نہیں سکتا۔ نہ وہ کسی اور پر بھروسا کرسکتا ہے اور نہ کسی سے امیدیں باندھ سکتا ہے۔ کیوں کہ وہ تو اقرار اس بات کا کر چکا ہے کہ قدرت اور حکم رانی صرف اللہ کے لیے ہے اور سارے اختیارات اسی کو حاصل ہیں۔ اس لیے اب وہ دوسروں کو نفع و نقصان پہنچا سکنے والا کیسے خیال کرسکتا ہے؟

اِسی طرح جب یہ یقین دل میں اچھی طرح بیٹھ جائے گا کہ اللہ کے سوا کوئی اور مالک اور معبود نہیں ہے تو پھر یہ نہیں ہوسکتا کہ انسان اللہ کے سوا کسی اور کی پرستش کرے، کسی اور کے سامنے نذرانے اور نیازیں پیش کرے، کسی اور کے سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو، سر جھکائے اور سجدہ کرے یا کسی کی کوئی ایسی تعظیم کرے، جیسی تعظیم مشرکین اپنے بتوں اور دیوتاؤں کی کرتے ہیں۔ اس اقرار اور یقین کے بعد وہ اللہ کے سوا نہ کسی سے دعا مانگے گا، نہ کسی کی پناہ ڈھونڈے گا اور نہ کسی کو مدد کے لیے پکارے گا۔ کیوں کہ اس کی نظر میں اللہ کے سوا کوئی دوسرا ایسا ہے ہی نہیں، جس کا حکم چلتا ہو، جو دعائیں سنتا ہو، جو پناہ دے سکتا ہو یا آڑے وقت میں کام آسکتا ہو۔ (۱)

اِس اقرار و یقین کا ایک لازمی نتیجہ اور ضروری تقاضا یہ بھی ہے کہ آدمی اللہ کے سوا کسی دوسرے کو دنیا جہان کا مالک نہ سمجھے، اس کے سوا کسی کا یہ حق تسلیم نہ کرے کہ وہ جو چاہے حکم دے سکے یا کسی کام سے روک دے یا اپنے طور پر جیسا چاہے قانون بنائے۔ کیوں کہ جب سارے جہان کا مالک اللہ ہے تو اسی کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنے بندوں کو جیسا چاہے حکم دے اور ان کے لیے قوانین بنائے اور بندوں کے لیے صحیح طریقہ صرف یہ ہے کہ وہ اسی اصل مالک کے احکام اور قوانین کی پیروی کریں اور کسی ایسے قانون کو صحیح نہ سمجھیں، جو اللہ کے حکم سے آزاد ہو کر بنایا گیا ہو۔

اتنا ہی نہیں، کلمہ 'لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ' کا اقرار کرنے کے بعد آدمی اپنی من مانی بھی نہیں کرسکتا۔ یہ نہیں ہوسکتا کہ جو اس کا جی چاہے، وہ کرتا پھرے۔ اسے اپنی خواہشات اور پسند و ناپسند کو خدا کی مرضی کا تابع بنانا پڑے گا۔ جب اس نے اس حقیقت کو مان لیا کہ کوئی چیز اس کی اپنی ہے ہی

---

(۱) ایک انسان دوسرے انسان کی جو مدد کرتا ہے، اس کی مصیبت میں جو کام آتا ہے اور اس کے ساتھ جو ہمدردی کرتا ہے وہ بالکل الگ چیز ہے۔ یہاں جس قسم کی مدد یا پناہ کا ذکر ہے وہ دنیوی اسباب سے بالاتر اور غیبی مدد ہے۔

نہیں، یہاں تک کہ اس کی اپنی جان بھی اصل میں اس کی اپنی نہیں ہے، بلکہ اللہ ہی کی ملکیت ہے اور اس کی تمام قوتوں کا اصل مالک اللہ ہی ہے اور یہ ساری چیزیں اسے امانت کے طور پر دی گئی ہیں تو اب وہ کسی چیز کو اس کے اصلی مالک اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف استعمال نہیں کر سکتا۔ اسے تو یہ ساری چیزیں اور قوتیں دی ہی اس لیے گئی ہیں کہ وہ انھیں دینے والے خدا کی مرضی کے مطابق استعمال کرے۔ چناں چہ ایک دن اسے خدا کے سامنے حاضر ہونا ہے اور اس بات کا جواب دینا ہے کہ اس نے ان بخشی ہوئی امانتوں کو کس طرح استعمال کیا؟ کہیں ایسا تو نہیں ہوا کہ اس نے ان امانتوں سے اپنی مرضی یا اپنے جیسے دوسرے انسانوں کی مرضی کے مطابق کام لیا ہو؟ اگر ایسا ہوا تو وہ خدا کے سامنے نافرمان ٹھہرے گا اور سخت سزاؤں سے دوچار ہوگا۔

کلمہ 'لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ' کے اقرار کے بعد ہم کسی ایسی چیز کو پسند نہیں کر سکتے، جو اللہ کو ناپسند ہو اور کسی ایسی چیز کو ناپسند نہیں کر سکتے، جو اللہ کو پسند ہو۔ ہماری ساری دوڑ دھوپ صرف اس لیے ہونی چاہیے کہ ہم اپنے اللہ کے فرماں بردار ٹھہریں اور اس کی خوشنودی حاصل کر لیں۔ اس غرض کے لیے زندگی کے ہر معاملے میں ہمیں صرف ایک ہی بات دیکھنی ہوگی کہ اس کے بارے میں اللہ نے کیا ہدایت دی ہے۔ اخلاق میں، برتاؤ میں، رہن سہن میں، کھانے پینے میں، کاروبار میں، کمانے اور خرچ کرنے میں، قانون بنانے اور حکومت کرنے میں، غرض زندگی کے ہر معاملے میں ہمیں اللہ کے بتائے ہوئے راستے ہی پر چلنا ہوگا اور صرف اسی قانون کو صحیح اور جائز سمجھنا ہوگا، جو خدا نے ہمیں دیا ہے۔ اس کے خلاف جو کچھ بھی ہوگا، ضروری ہے کہ اسے غلط سمجھیں، غلط کہیں، ردّ کر دینے کے قابل ٹھہرائیں اور زندگی کے میدان سے اُسے ہٹا دینے کی کوشش کریں۔

'لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ' کے بعد دوسرا جملہ، جس کا ہم اقرار کرتے ہیں 'مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ' کا ہے۔ اس جملے کا مطلب یہ ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ آپ اللہ کے ان بے شمار پیغمبروں میں سے سب سے آخری پیغمبر ہیں، جو شروع ہی سے مختلف ملکوں اور قوموں میں برابر آتے اور اللہ کے بندوں تک اس کا دین پہنچاتے رہے ہیں۔ آپ کے ذریعے جو دین آیا وہ اللہ کا سب سے آخری، سب سے کامل اور سب سے جامع دین ہے۔ سب کے لیے ہے اور ہمیشہ کے لیے ہے۔ اس دین کی جو ضرورت تھی وہ بالکل واضح ہے۔ جب اللہ تعالیٰ ہی انسانوں کا خالق، مالک، پروردگار اور حاکم و معبود ہے تو ضروری ہے کہ اس کے احکام اور اس کی ہدایات پوری طرح

معلوم ہوں۔ اس کے بندے اس بات سے واقف ہوں کہ ان کا معبود اور آقا ان سے کیا چاہتا ہے، وہ کیا کریں اور کیا نہ کریں، وہ کن کاموں سے خوش ہوگا اور کون سے کام اسے پسند نہیں ہیں۔ وہ راستہ کون سا ہے، جس پر چل کر ہم اس کی رضامندی حاصل کر سکتے اور آخرت میں اس کی بخششوں اور نعمتوں کے مستحق بن سکتے ہیں۔ اور وہ راہیں کون سی ہیں، جن سے بچ کر چلنا ضروری ہے تاکہ اس کی ناخوشی اور عذاب سے ہم محفوظ رہ سکیں۔ یہی ضرورت تھی جسے پورا کرنے کے لیے اللہ نے اپنے دوسرے پیغمبروں کی طرح حضرت محمد ﷺ کو بھی اپنا پیغمبر بنایا اور آپ کے ذریعے اپنی مرضی سے ہمیں آگاہ فرمایا اور اس غرض کے لیے اپنی کتاب قرآن مجید ہمارے پاس بھیجی، جس کے مطابق زندگی بسر کر کے آپؐ نے ہمیں بتادیا کہ اللہ کے بندوں کو کس طرح زندگی بسر کرنا چاہیے۔ اس لیے حضرت محمد ﷺ کو اللہ کا رسول ماننے کا مطلب یہ ہے کہ ہر اس بات کی پیروی کی جائے، جو اللہ کے رسول نے ہمیں بتائی ہو۔ اسی قانون پر چلا جائے، جو اللہ کے رسول نے ہمیں دیا ہے، اسی طرح اللہ کی بندگی کی جائے، جس طرح اللہ کے رسول نے بتائی ہے۔ اسلام میں داخل ہونے کے بعد رسول اللہ ﷺ کی پیروی سے انکار یا ان کے کسی حکم کو صحیح تسلیم نہ کرنا ایمان کی نہیں بے دینی کی بات ہے۔ ہمارا فرض یہ ہے کہ ہم ہر اس حکم کے آگے سر جھکا دیں، جس کے بارے میں ہمیں یہ معلوم ہو جائے کہ یہ حکم رسول اللہ ﷺ نے دیا ہے اور ہر اس بات سے دور رہیں، جس کے بارے میں یہ معلوم ہو جائے کہ رسول اکرم ﷺ نے اس سے روکا ہے۔ کسی چیز کو اس وقت تک قبول نہ کریں جب تک یہ نہ معلوم ہو جائے کہ یہ رسول اللہ ﷺ کے لائے ہوئے دین اور آپؐ کی سنت کے مطابق ہے اور ہر اس بات کو ٹھکرا دیں، جو اس کے خلاف ہو۔

یہ ہے کلمۂ 'لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ' کا مطلب اور یہ ہیں اس پر ایمان لانے کے ضروری تقاضے۔ اس کلمے کو سچّے دل سے ماننے والا انسان اللہ کا مخلص بندہ اور حضرت محمد ﷺ کا مکمل پیرو ہوگا اور اس کی پوری زندگی اللہ کی مرضی اور اس کے دین کے سانچے میں ڈھلی ہوئی ہوگی، جب کہ اس کلمے پر ایمان نہ رکھنے والا اللہ کا باغی ہوگا۔ دنیا میں ان دونوں قسم کے انسانوں کے راستے الگ الگ ہوں گے۔ اس لیے آخرت میں بھی دونوں کے انجام الگ ہی الگ ہوں گے۔ پہلا شخص اللہ، اس کے رسول اور اس کے دین کا وفادار ہونے کی وجہ سے اس کی رحمت و مغفرت کا مستحق ہوگا، جب کہ دوسرا انسان باغی اور منکر ہونے کی وجہ سے اس کے غضب اور عذاب کا سزاوار ٹھہرے گا۔

# اسلام

اِسلام کا بنیادی عقیدہ آپ نے سمجھ لیا اور یہ بھی جان لیا کہ جب تک یہ عقیدہ کسی شخص کے دل میں بیٹھا ہوا نہ ہو اور وہ اس کا سچے دل سے اقرار نہ کرے، وہ مسلمان نہیں ہوسکتا۔ چاہے اس کا نام مسلمانوں کا سا ہی کیوں نہ ہو، یا وہ کسی مسلمان ہی کے گھر میں کیوں نہ پیدا ہوا ہو۔ مسلمان ہونے کے لیے کلمہ 'لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ' پر سچے دل سے ایمان لانا ضروری ہے۔ اب اسلام کا پورا مطلب سمجھ لیجیے۔ اسلام کے معنیٰ خدا کی مکمل فرماں برداری کے ہیں اور کفر کے معنیٰ خدا کا انکار، ناشکری اور نافرمانی کے ہیں۔ اسلام کو ماننے والا اور اس کا انکار کرنے والا دونوں انسان ہیں، دونوں خدا کے پیدا کیے ہوئے اور اس کے بندے ہیں۔ مگر پہلا انسان ایسا انسان ہے، جو اپنے مالک اور اپنے محسن کو پہچانتا ہے، اس کو اپنا آقا اور حاکم تسلیم کرتا ہے، اس کے حکموں پر چلتا ہے اور اس کی نعمتوں کا سچے دل سے شکر بجالاتا ہے اس لیے وہ مسلمان ہے، اللہ اس سے خوش ہوتا ہے اور مرنے کے بعد اس کا ٹھکانا جنت ہوتا ہے۔ دوسرا انسان یا تو اپنے مالک کو پہچانتا ہی نہیں اور اگر پہچانتا بھی ہے تو غلط شکل میں پہچانتا ہے، اس کے ساتھ دوسروں کو خدائی میں شریک ٹھہراتا ہے، اس کے حکموں کو چھوڑ کر اپنی من مانی کرتا یا اپنے ہی جیسے دوسرے انسانوں کی غلامی اختیار کر لیتا ہے۔ اپنے سچے مالک کی اطاعت سے انکار کرتا ہے اور اس کی دی ہوئی نعمتوں کو اس کی مرضی کے خلاف استعمال کر کے اس کی ناشکری کرتا ہے اس لیے وہ کافر کہلاتا ہے، اللہ اس سے ناخوش ہوتا ہے اور مرنے کے بعد اس کا ٹھکانا دوزخ ہوگا۔ یہی وہ بات ہے، جو مسلمان کو کافر سے جدا کرتی ہے۔

اب سوچنے کی بات یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے آپ کو مسلمان تو کہتا ہے لیکن اسے خبر ہی نہیں کہ مسلمان کسے کہتے ہیں اور اس کا مالک اس سے کیا چاہتا ہے؟ اور اس کی مرضی کیا ہے؟ اسے اِس کی کوئی فکر ہی نہیں کہ اس کے آقا کا حکم کیا ہے؟ اسے مسلمان ہونے کی حیثیت سے کیا کرنا چاہیے اور کیا نہ کرنا چاہیے؟ تو کیا محض نام، لباس اور کھانے پینے کے فرق کی وجہ سے وہ اللہ کا فرماں بردار مان لیا جائے گا؟ وہ اس سے خوش ہو جائے گا؟ اور آخرت میں اپنی رحمتوں کا حق دار ٹھہرا دے گا؟ آپ کا دل کہے گا کہ ایسا نہیں ہوسکتا اور بات بھی یہی ہے کہ اللہ کی نظر میں کوئی شخص اس لیے اونچا نہیں ہوجاتا کہ وہ کسی خاص نسل یا خاندان یا برادری سے تعلق رکھتا ہے۔ اس کے

نزدیک تو اونچا وہی ہوتا ہے، جو اسے اچھی طرح جانتا ہے، اس کی ناراضی سے بچنے کا پورا اہتمام رکھتا ہے اور اس کے حکموں پر چلنے کی پوری کوشش کرتا ہے چاہے وہ کسی کے گھر پیدا ہوا ہو۔ اسلام میں یہ بات بالکل نہیں ہے کہ کوئی شخص پیدائش کے اعتبار سے نیچا سمجھا جائے۔ یہاں نیچا وہ ہے، جو خدا کو نہیں مانتا یا اس کے حکموں سے منہ موڑتا ہے اور اس کے بتائے ہوئے راستے سے ہٹ کر دوسرے راستوں پر چلتا ہے۔

آج مسلمانوں کا حال کیا ہے؟ ہونے کو ان کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ دنیا کے بہت سے ملکوں میں ان کی اپنی حکومتیں بھی قائم ہیں۔ لیکن انھیں وہ عزت حاصل نہیں، جو ہونا چاہیے تھی۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ ان کا مقام دنیا کی دوسری قوموں اور ملّتوں سے اونچا ہوتا، کیوں کہ یہ اس خدا کے ماننے والے ہیں، جس کے ہاتھ میں سب کچھ ہے۔ اور اس نے بجا طور پر یہ فرما رکھا ہے کہ اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ''تم (مسلمان ہی) غالب و سربلند رہو گے بشرطے کہ تم صحیح معنوں میں ایمان والے ہوئے۔'' لیکن یہاں حال بالکل دوسرا ہے۔ سوچیے اس کی وجہ کیا ہے؟ صاف بات ہے کہ اس کی وجہ ایک ہی ہوسکتی ہے اور وہ یہ کہ جس مسلمان کے سر کو خدا کے سوا کسی کے آگے نہیں جھکنا چاہیے تھا، آج جدھر دیکھیے وہ اپنے ہی جیسے انسانوں کے آگے جھک رہا ہے، جس مسلمان کے دل میں خدا کے سوا کسی کا ڈر نہیں ہونا چاہیے تھا، آج سیکڑوں ڈر اس کے دل میں بیٹھے ہوئے ہیں، جس مسلمان کو خدا کی بخشی ہوئی نعمتوں کے استعمال میں من مانی کرنے سے بچنا چاہیے تھا وہ آج ان نعمتوں کو اس کی مرضی کے خلاف استعمال کرنے میں کوئی جھجک نہیں رکھتا، جس مسلمان کے لیے زندگی بسر کرنے کا ایک ہی قانون اور ہدایت نامہ تھا، جو اس کے خدا کی طرف سے آخری رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے اسے ملا تھا، آج اس کی زندگی کا تعلق اس قانون اور اس ہدایت نامے سے برائے نام ہی رہ گیا ہے۔ اس کی زندگی مدتوں سے غیر خدائی قانون اور غیر خدائی ضابطوں کے تحت بسر ہو رہی ہے۔ خدا کی آخری کتاب اس کے پاس ہے اور ٹھیک اسی شکل میں ہے، جیسی شکل میں وہ اتری تھی۔ لیکن مسلمانوں نے اسے اٹھا کر طاق میں رکھ دیا ہے۔ وہ اگرچہ اس کی تلاوت کرتا رہتا ہے لیکن اس کو سمجھنے کی اور اس کی باتوں پر عمل کرنے کی بہت کم کوشش کرتا ہے۔ اس وجہ سے اس کی عملی زندگی پر اللہ کی اس کتاب کا رنگ جھلکتا مشکل ہی سے دیکھا جاسکتا ہے۔ ایسی حالت میں مسلمان اس عزت اور محبوبیت کا مقام کیسے حاصل کرسکتے ہیں،

جو اللہ تعالیٰ نے سچے اہلِ ایمان کا بتایا ہے۔ مسلمان اگر اس لحاظ سے سب سے خوش قسمت گروہ ہیں کہ اس وقت صرف انھیں کے پاس اللہ کا کلام اپنی اصلی حالت میں موجود ہے تو اس لحاظ سے وہی سب سے بدقسمت گروہ بھی ہیں کہ خدا کا کلام رکھتے ہوئے بھی اس کی برکتوں سے محروم ہیں۔ قرآن تو اس لیے بھیجا گیا تھا کہ لوگ اسے پڑھیں، سمجھیں، اس کے مطابق عمل کریں اور اس میں دی ہوئی ہدایتوں کے مطابق اپنی پوری زندگی بسر کریں، تاکہ وہ آخرت میں بھی خوش اور کام یاب رہیں اور اس دنیا میں بھی۔ آج دنیا میں ہر طرف بے چینی ہے، جدھر دیکھیے بدی کا راج ہے، خود غرضی اور بے انصافی کا دور دورہ ہے، اخلاق تباہ ہو رہے ہیں اور انسانیت کراہ رہی ہے۔ یہ سب کچھ اس لیے ہے کہ انسان اپنے خدا کو بھولتا جا رہا ہے، اس کی اپنی زندگی ان اصولوں، طریقوں اور قانونوں کے تحت بسر ہو رہی ہے، جو اس کے اپنے ہی بنائے ہوئے ہیں، اس لیے سب ناقص ہیں اور زندگی کو بنانے اور سنوارنے کے بہ جائے اسے خراب سے خراب تر کرتے جا رہے ہیں۔ زندگی کا ایسا قانون، جو ان خرابیوں سے پاک ہو اور جس میں سب انسانوں کے لیے بھلائی ہی بھلائی ہو صرف خدا ہی دے سکتا ہے، جو ان کا پیدا کرنے والا بھی ہے اور پرورش کرنے والا بھی۔ جو ان کے بھلے برے کا بھی صحیح علم رکھتا ہے اور ان کے نفس کی کم زوریوں اور ان کی فطری ضرورتوں کو بھی بہ خوبی جانتا ہے۔ اس نے انسان کو کبھی اپنی اس عنایت سے محروم نہیں رکھا۔ چناں چہ اس کی یہی عنایت ہے، جو آج 'اسلام' کے نام سے ہمارے پاس موجود ہے۔ اسلام اور زندگی کا یہ خدائی نظام ایسا نظام ہے، جو اپنی اصلی شکل میں دنیا میں قائم ہو چکا ہے۔ دنیا اس کا تجربہ کر چکی ہے۔ تاریخ گواہ ہے کہ جس وقت دنیا میں یہ نظام اپنی صحیح شکل میں قائم تھا اس وقت انسانی زندگی نیکیوں سے بھی مالا مال تھی اور خوش حالیوں سے بھی۔ اس نظام کے قائم کرنے والے انسانیت کی آنکھوں کا تارا بن گئے تھے، عزت ان کے قدم لے رہی تھی اور وہ ساری قوموں کے سردار اور پیشوا بنا دیے گئے تھے۔ خدا کی یہ رحمت اسلام اور اسلامی نظام آج بھی موجود ہے، لیکن افسوس کہ اس سے کام نہیں لیا جاتا۔ اس پر ایمان رکھنے کا دعویٰ کرنے والے اس سے ہدایت حاصل نہیں کرتے۔ انھیں اس کی فکر نہیں رہتی کہ خدا کی اس کتاب کی روشنی میں ان کے عقائد کیا ہونا چاہییں؟ ان کے اخلاق کیا اور کس طرح کے ہوں؟ حق کیا ہے اور باطل کیا ہے؟ انھیں کس چیز کو پسند کرنا چاہیے اور کس چیز کو ناپسند؟ ان کے لیے دوستی اور دشمنی کی بنیادیں کیا ہوں؟ دوسروں

کے ان پر حقوق کیا ہیں اور انھیں کس طرح ادا کرنا چاہیے؟ وہ اپنی خاندانی زندگی کس طرح گزاریں؟ کاروبار میں کن باتوں کا لحاظ کریں؟ اپنے اجتماعی معاملات کو کس طرح انجام دیں؟ انھیں عزت اور سربلندی کن کاموں سے ملے گی اور ذلّت و نامرادی کن کاموں سے ہوا کرتی ہے؟ مسلمان ہونے کی حیثیت سے ضروری تھا کہ ہم یہ ساری باتیں خدا کی کتاب سے پوچھتے اور پھر اس کے مطابق عمل کرنے کی کوشش کرتے۔ لیکن ہم اب یہ باتیں دوسروں سے پوچھتے ہیں۔ یہاں تک کہ خدا کے منکروں کی پیروی میں بھی کوئی حرج نہیں سمجھتے۔ یہ اسی کا نتیجہ ہے کہ آج ہم خدا کی سب سے بڑی نعمت اپنے پاس رکھنے کے باوجود اس کی برکتوں سے محروم ہیں۔ روشنی کو ہم نے اپنے دامن میں چھپا رکھا ہے۔ خود بھی اندھیرے میں ٹھوکریں کھا رہے ہیں اور دوسروں کو بھی راستہ نہیں دکھاتے۔ سوچیے یہ کتنا بڑا ظلم ہے، جو ہم نے خدا کی کتاب پر کیا ہے! اور اس وقت اگر ہم ذلّتوں اور پستیوں سے دوچار ہیں تو کیا ہمارے اسی ظلم کا نتیجہ نہیں ہے؟ ہے اور یقیناً ہے۔ اس لیے اگر ہم اس مصیبت سے چھٹکارا پانا چاہتے ہیں تو اس کی اس کے سوا اور کوئی صورت نہیں کہ ہم اللہ کی کتاب اور اس کے دین پر ظلم کرنا چھوڑ دیں اور اس کی پیروی کا حق ادا کرنے پر سچے دل سے آمادہ ہو جائیں۔

لیکن اس 'پیروی کا حق' ادا کرنے کا مفہوم بھی اچھی طرح سمجھ لیجیے۔ اسلام جس دین کا نام ہے وہ دوسرے بہت سے مذاہب کی طرح صرف چند رسموں اور معروف قسم کی عبادتوں کا نام نہیں ہے، بلکہ وہ ایک ایسا دین ہے، جو انسان کی پوری زندگی سے بحث کرتا ہے اور اس کے ہر معاملے میں ہدایتیں دیتا ہے۔ قرآن کریم اور حدیث شریف پر نظر ڈالیے تو صاف دکھائی دے گا کہ وہ جہاں یہ بتاتے ہیں کہ صحیح عقیدے کیا ہیں؟ اللہ کی پرستش کس طرح کرنی چاہیے؟ اس کے ذکر، اس کی حمد اور اس کی تسبیح کی دین میں کیا اہمیت ہے؟ اسی طرح وہ یہ بھی بتاتے ہیں کہ انسان کو اپنی خانگی زندگی کس طرح بسر کرنی چاہیے؟ کاروبار میں کن حدوں کا لحاظ ضروری ہے؟ رہن سہن اس کا کیسا ہونا چاہیے؟ روزی کمانے اور خرچ کرنے کے اصول کیا ہوں؟ حکومت کس طرح بنائی اور چلائی جائے؟ صلح اور جنگ کی بنیادیں کیا ہونی چاہییں؟ غرض انسان کی انفرادی اور اجتماعی پوری زندگی اور اس کے سارے ہی معاملات کے بارے میں کتاب اور سنّت کے اندر احکام موجود ہیں۔ اور جیسا کہ چاہیے، اس تاکید کے ساتھ موجود ہیں کہ خدا کی بندگی اور اس کی اطاعت

کا فرض ادا کرنے کے لیے ضروری ہے کہ ان سارے ہی احکام کی پیروی کی جائے اور ان میں سے کسی کو بھی نظر انداز نہ کیا جائے۔ اور اگر ایسا نہ کیا گیا اور جانتے بوجھتے ان احکام میں سے کچھ کو پسِ پشت ڈال دیا گیا تو یہ ایمان کا راستہ نہ ہوگا بلکہ یہ ایک ایسا جرم ہوگا، جس کی سزا دنیا میں بھی بڑی سخت ہوگی اور آخرت میں بھی۔ مومن کا شیوہ یہ نہیں ہوسکتا کہ اللہ کے احکام میں سے، جن کی چاہے پیروی کرے اور جن کی چاہے نہ کرے۔ اس کا طریقہ تو صرف ایک ہی ہوسکتا ہے اور وہ یہ کہ وہ جس طرح پورے قرآن کو اللہ کی طرف سے نازل ہونے والی کتاب سمجھتا ہے، اسی طرح وہ اس بات پر بھی یقین رکھتا ہے کہ اس کتاب کے اندر جو کچھ ہے وہ سب پیروی اور اطاعت ہی کے لیے ہے، محض تلاوت کے لیے نہیں ہے۔ یہی وہ طریقہ ہے، جسے اختیار کرکے اللہ کی بندگی اور اس کے احکام کی پیروی کا حق ادا کیا جاسکتا ہے اور مسلمان دنیا اور آخرت دونوں جگہ اپنے خدا کی رحمتوں کے مستحق بن سکتے ہیں۔

# مسلمان

اب تک جو کچھ بتایا گیا ہے اس سے یہ بات تو اچھی طرح آپ کی سمجھ میں آگئی ہوگی کہ مسلمان کسی نسل، خاندان، برادری یا قوم کا نام نہیں بلکہ ایک خاص عقیدہ اور ایک خاص طرزِ عمل رکھنے والے شخص کا نام ہے۔ اس عقیدے کی تفصیل تو آپ اوپر معلوم کر چکے ہیں، لیکن اس خاص طرزِ عمل کی ضروری تفصیل ابھی آپ کے سامنے نہیں آئی ہے۔ اس لیے آیئے اسے پوری وضاحت سے سمجھ لیجیے اور یہ معلوم کر لیجیے کہ وہ باتیں کیا ہیں، جن کا ایک مسلمان کے طرزِ عمل میں پایا جانا ضروری ہے۔

یہ تو آپ جان چکے ہیں کہ خدا کی فرماں برداری سے انکار کر دینے کا نام کفر ہے اور اسلام یہ ہے کہ آدمی خدا کا فرماں بردار ہو، چناں چہ 'اسلام' کے معنی ہی اللہ کی اطاعت و فرماں برداری کے ہیں۔ اس فرماں برداری کا بنیادی تقاضا یہ ہے کہ آدمی ہر اس طریقے یا قانون یا حکم کو غلط اور ٹھکرا دینے کے قابل سمجھے جو خدا کی بھیجی ہوئی ہدایت کے خلاف ہو۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو مستقل قانون ساز نہ مانے اور ان تمام ہدایتوں کو صحیح تسلیم کرنے سے انکار کر دے، جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے تحت نہ ہوں۔ قرآنِ کریم صراحت سے کہتا ہے:

وَمَنۡ لَّمۡ يَحۡكُمۡ بِمَآ اَنۡزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الۡكٰفِرُوۡنَ ○
(المائدہ: ۴۴)

''جو لوگ خدا کی اتاری ہوئی ہدایت کے مطابق فیصلہ نہ کریں وہ دراصل کافر ہیں۔''

اس کا کھلا ہوا مطلب یہ ہے کہ زندگی میں جب بھی کوئی سوال آپ کے سامنے آئے تو اس کا جواب اللہ کی بھیجی ہوئی ہدایتوں ہی سے پوچھیے اور پھر اسی کے مطابق عمل بھی کیجیے۔ زندگی کے ہر معاملے میں یہ دیکھنا ضروری ہے کہ خدا کی کتاب اور اس کے رسول کی سنّت اس کے بارے میں کیا کہتی ہیں؟ جو شخص ایسا کرتا ہے اور ایسے ہر موقعے پر کتاب و سنت ہی کا طریقہ اختیار کرتا ہے اسی کا طریقہ اسلام کا طریقہ ہوتا ہے۔ ایک مسلمان کو ایسا ہی کرنا چاہیے۔ اور جو کوئی ایسا نہیں کرتا بلکہ اللہ کے بتائے ہوئے طریقوں کو چھوڑ کر ایسے طریقے اختیار کرتا رہتا ہے، جو یا تو نفس کی خواہشوں کے سجھائے ہوئے ہوتے ہیں یا باپ دادا کے رسم و رواج کی اندھی پیروی کا نتیجہ ہوتے ہیں یا پھر انسان کی اپنی خام عقل کے تراشے ہوئے ہوتے ہیں، تو یہ دراصل کفر کا طریقہ ہے اور ایک مسلمان اسے کبھی اختیار نہیں کرسکتا۔

مسلمان تو کہتے ہی اسے ہیں، جو صرف خدا کا حکم مانے اور اس حکم کے مقابلے میں نہ اپنے جی کی کوئی بات سنے، نہ خاندان اور قوم کا کوئی لحاظ کرے اور نہ کسی طاقت اور حکومت کے تیور دیکھے۔ کیوں کہ وہ بندہ اپنے اللہ کا ہے اور اسے بندگی اپنے اسی اللہ کی کرنی ہے۔ نہ وہ کسی اور کا بندہ ہے اور نہ کسی اور کی اسے بندگی کرنی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

قُلۡ يٰٓاَهۡلَ الۡكِتٰبِ تَعَالَوۡا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۢ بَيۡنَنَا وَبَيۡنَكُمۡ اَلَّا نَعۡبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشۡرِكَ بِهٖ شَيۡـًٔا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعۡضُنَا بَعۡضًا اَرۡبَابًا مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ ؕ فَاِنۡ تَوَلَّوۡا فَقُوۡلُوا اشۡهَدُوۡا بِاَنَّا مُسۡلِمُوۡنَ ○ (آل عمران: ۶۴)

''اے نبیؐ! کہو، اے اہلِ کتاب! آؤ ایک ایسی بات کی طرف، جو ہمارے اور تمھارے درمیان یکساں ہے (جو تمھارے نبی بھی بتا گئے ہیں اور خدا کا نبی ہونے کی حیثیت سے میں بھی وہی بات کہتا ہوں)۔ وہ بات یہ ہے کہ ہم اللہ کے سوا کسی اور کی بندگی نہ کریں، نہ اس کی خدائی میں کسی کو شریک کریں اور نہ ہم میں سے کوئی کسی کو اللہ کو چھوڑ کر اپنا رب بنائے اور اگر وہ اس بات سے منہ موڑ لیں تو ان سے کہنا: گواہ رہو، ہم تو مسلم (اللہ کے فرماں بردار) ہیں (ہم ان تینوں باتوں کو مانتے ہیں)۔''

اَفَغَيْرَ دِيْنِ اللّٰهِ يَبْغُوْنَ وَلَهٗٓ اَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ
طَوْعًا وَّ كَرْهًا وَّاِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ۝ (آل عمران: ۸۳)

''کیا وہ اللہ کی اطاعت کے سوا کسی اور کی اطاعت کرنا چاہتے ہیں؟ حالاں کہ زمین اور آسمان کی ہر چیز چاروناچار اسی کی اطاعت کر رہی ہے اور سب کو اسی کی طرف پلٹنا ہے۔''

اِن دونوں آیتوں میں ایک ہی بات بیان کی گئی ہے، یعنی یہ کہ اصل دین خدا کی اطاعت و فرماں برداری ہے۔ خدا کی اطاعت کے معنی یہ نہیں ہیں کہ بس پانچ وقت ہم اس کے آگے سجدہ کرلیں، بلکہ اس کی عبادت کے معنی یہ ہیں کہ ہم اس کی پرستش بھی کریں اور اپنی پوری زندگی میں اس کے حکموں کی اطاعت بھی کریں، جس چیز سے اس نے منع کر دیا ہے اسے ہرگز نہ کریں اور جس کام کا اس نے حکم دیا ہے اسے ضرور کریں۔ ہر وقت، ہر معاملے میں یہی دیکھنا چاہیے کہ خدا کا حکم کیا ہے، اس کا حکم معلوم ہو جانے کے بعد یہ کبھی نہ دیکھیں کہ ہمارا دل کیا کہتا ہے، ہماری عقل کیا کہتی ہے، فلاں صاحب کیا فرماتے ہیں، ہمارے باپ دادا کیا کرتے تھے، ہمارے خاندان کا رسم و رواج کیا ہے، اس وقت کی پسند کیا ہے اور دوسرے لوگ اس بارے میں کیا نقطۂ نظر رکھتے ہیں؟ ورنہ اگر ہم خدا کے حکم کو چھوڑ کر کسی اور کی بات مان لیں گے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ہم نے عملاً اسے خدائی میں شریک کرلیا اور کسی نہ کسی حد میں اسے وہ درجہ دے دیا، جو خدا کا درجہ ہے اور یہ اتنی خطرناک بات ہے کہ اس کے بعد انسان سیدھا ہلاکت کے گڑھے میں جا گرتا ہے۔

انسان کو اللہ کی بندگی سے روکنے والی اور گم راہی میں مبتلا کرنے والی بڑی بڑی چیزیں تین ہیں۔ جو شخص مسلمان رہنا اور خدا کی بندگی کا حق ادا کرنا چاہتا ہے اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ ان تینوں چیزوں کو اچھی طرح سمجھے اور ان کی طرف سے پوری طرح چوکنّا رہے۔ وہ چیزیں یہ ہیں:

۱- نفس کی بندگی

۲- باپ دادا یا خاندان اور قوم کی بندگی

۳- دنیا کے ان لوگوں کی بندگی، جنھیں دولت یا حکومت کی وجہ سے بڑا سمجھا جاتا ہے یا جسے لوگ اپنا پیشوا اور لیڈر بنا لیتے ہیں۔

نفس کی بندگی کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوٰىهُ بِغَيْرِ هُدًى مِّنَ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي
الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ۝ (القصص: ۵۰)

''اس شخص سے بڑھ کر گم راہ کون ہوگا، جس نے خدا کی ہدایت کے بہ جائے اپنے نفس کی خواہش کی پیروی کی۔ ایسے ظالم لوگوں کو خدا ہدایت نہیں دیتا۔''

اَرَءَيۡتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ ؕ اَفَاَنۡتَ تَكُوۡنُ عَلَيۡهِ وَكِيۡلًا ۙ اَمۡ تَحۡسَبُ اَنَّ اَكۡثَرَهُمۡ يَسۡمَعُوۡنَ اَوۡ يَعۡقِلُوۡنَ ؕ اِنۡ هُمۡ اِلَّا كَالۡاَنۡعَامِ بَلۡ هُمۡ اَضَلُّ سَبِيۡلًا ۙ (الفرقان: ۴۳، ۴۴)

''کیا تم نے اس شخص کے حال پر غور کیا، جس نے اپنے نفس کی خواہش کو اپنا خدا بنالیا ہے؟ کیا تم ایسے شخص کے ذمّے دار بن سکتے ہو، کیا تم سمجھتے ہو کہ ان میں سے بہت سے لوگ سنتے یا سمجھتے ہیں۔ ہرگز نہیں، یہ تو جانوروں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی گئے گزرے۔''

یہ آیتیں بتاتی ہیں کہ جو شخص اپنے جی کی خواہشوں کے پیچھے چلتا رہتا ہے وہ اسے دراصل اپنا خدا بنالیتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اپنی خواہشوں کا بندہ بن جانے کے بعد خدا کا بندہ بننا یا باقی رہنا ممکن نہیں رہ جاتا۔ ایسا شخص تو ہر وقت یہی دیکھے گا کہ دولت مجھے کس طرح ملتی ہے؟ عزت اور شہرت پالینے کی راہ کون سی ہے؟ لذّت اور آرام و آسائش کس کام سے حاصل ہوتی ہے؟ ان چیزوں کی طلب جن طور طریقوں سے بھی پوری ہوتی دکھائی دے گی وہ ان ہی کو اختیار کرے گا۔ چاہے خدا نے ان سے کتنا ہی منع کیوں نہ کر رکھا ہو۔ اسی طرح جن کاموں کے کرنے سے اس کی یہ طلب پوری نہ ہوگی، انھیں وہ ہرگز انجام نہ دے گا۔ چاہے خدا نے ان کی کتنی ہی تاکید کیوں نہ کی ہو۔ ایسے آدمی کے بارے میں اس کے سوا اور کیا کہا جاسکتا ہے کہ اس نے اپنے نفس کو خدا بنالیا ہے۔

باپ دادا، یا خاندان اور قوم کی بندگی کا حال بھی یہی ہے۔ کتنے ہی لوگ آپ کو ایسے ملیں گے، جو ایک خاص ڈھرّے پر اس لیے چل رہے ہیں کہ ان کے باپ دادا ایسا ہی کرتے تھے۔ انھوں نے خود کبھی نہیں سوچا کہ کیا صحیح ہے اور کیا غلط۔ ان کے لیے یہ بات کافی ہے کہ ان کے باپ دادا ایسا ہی کیا کرتے تھے۔ ایسے لوگوں کے سامنے اگر اللہ تعالیٰ کا کوئی ایسا حکم آتا ہے، جو ان کے باپ دادا کے طور طریقوں سے ٹکراتا ہے تو وہ اسے چھوڑ دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم تو وہی کریں گے، جو ہمارے بزرگوں سے ہوتا آیا ہے۔ کوئی وجہ نہیں کہ ایسے شخص کو خدا کا بندہ مانا جائے۔ وہ تو اپنے باپ دادا اور خاندان کا بندہ ہے۔ خدا کا بندہ کب ہے۔ چناں چہ ایسے لوگوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاِذَا قِيۡلَ لَهُمُ اتَّبِعُوۡا مَآ اَنۡزَلَ اللّٰهُ قَالُوۡا بَلۡ نَتَّبِعُ مَآ اَلۡفَيۡنَا

عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ؕ اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ شَيْـًٔا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ ○
(البقرہ: ۱۷۰)

''اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ جو دین خدا نے بھیجا ہے اس کی پیروی کرو تو وہ کہتے ہیں کہ ہم تو اس طریقے کی پیروی کریں گے، جو ہمیں باپ دادا سے ملا ہے۔ کیا وہ انھیں کی پیروی کیے جائیں گے چاہے وہ نہ کچھ سمجھتے ہوں نہ انھیں راہِ راست نصیب رہی ہو۔''

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ قَالُوْا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ؕ اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ شَيْـًٔا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ ○ (المائدہ: ۱۰۴)

''اور جب ان سے کہا گیا کہ آؤ اس ہدایت کی طرف، جو خدا نے اتاری ہے اور رسول (کے طریقے) کی طرف، تو انھوں نے کہا کہ ہمارے لیے تو بس وہی طریقہ کافی ہے، جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے۔ کیا یہ باپ دادا ہی کی پیروی کیے چلے جائیں گے، چاہے ان کو کسی بات کا بھی علم نہ رہا ہو اور نہ وہ سیدھے راستے پر رہے ہوں؟''

باپ دادا کی یہ اندھی پیروی ایسی گم راہی ہے، جس میں تقریباً ہر زمانے کے جاہل لوگ مبتلا رہے ہیں اور اس چیز نے انسان کو خدا کے رسول کی ہدایت سے دُور رکھنے میں بڑا اہم اور بنیادی کردار ادا کیا ہے۔ قرآن پاک میں پچھلے نبیوں کے جو حالات بیان ہوئے ہیں، ان میں یہ بتایا گیا ہے کہ تقریباً ہر نبی کی قوم نے اپنے نبی کی دعوت کو جھٹلاتے ہوئے یہی بات کہی کہ ہم تمھاری باتیں کیسے مان لیں، تم جو کچھ کہتے ہو وہ تو اس کے بالکل خلاف ہے، جو ہمارے باپ دادا سے ہوتا چلا آیا ہے۔ ایسے لوگوں کے جواب میں قدرتی طور پر ہمیشہ ایک ہی بات کہی گئی اور وہ یہ کہ دیکھو! بندگی اور غلامی تو ایک ہی کی ہو سکتی ہے، یا تو خدا کی بندگی اختیار کر لو یا پھر اپنے باپ دادا کی بندگی کرتے رہو۔ ایک ساتھ دونوں کی بندگی نہیں کی جا سکتی۔ اب سوچ لو کہ بندگی کا مستحق کون ہے؟ خدا یا تمھارے باپ دادا، جو خود بھی اسی طرح خدا کے پیدا کیے ہوئے ہیں، جس طرح کہ تم ہو۔ تم اگر سیدھی راہ اور خدا کی بندگی اختیار کرنا چاہتے ہو تو سب باتوں کو چھوڑ کر اس ہدایت کو مان لو، جو خدا کے رسول خدا کی طرف سے لے کر آئے ہیں۔

مذہبی پیشواؤں اور سرداروں کی بندگی راہِ حق کی تیسری بڑی رکاوٹ ہے۔ بہت سے لوگ اس طرح سے سوچتے ہیں کہ فلاں شخص بہت بڑا آدمی ہے، اس کی بات صحیح ہوگی۔ فلاں آدمی بڑا

دولت مند اور جاہ و اقبال والا ہے، اس کی بات ضرور ماننا چاہیے، نہیں تو دنیا کا کام نہ چل سکے گا۔ فلاں آدمی طاقت اور حکومت کا مالک ہے، اس کا کہنا ضرور ماننا چاہیے، نہیں تو میری خیر نہیں۔ فلاں صاحب بہت پہنچے ہوئے ہیں، ان کا کہنا نہ مانا تو وہ بددعا کر دیں گے اور میں تباہ ہو جاؤں گا۔ فلاں قوم بہت ترقی کر رہی ہے، اس کے طریقے اختیار کرنے چاہئیں، نہیں تو ہم پیچھے رہ جائیں گے۔ جب کوئی شخص اس طرح سوچنے لگتا ہے تو اس پر ہدایت کا راستہ بند ہو جاتا ہے اور وہ خدا کی بندگی کی طرف نہیں آ سکتا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِي الْاَرْضِ يُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ط

(الانعام:۱۱۶)

''زمین کے باشندوں میں زیادہ تر ایسے لوگ ہیں کہ اگر تم نے ان کا کہنا مانا تو وہ تمھیں راستے سے بھٹکا دیں گے۔''

یہ تینوں چیزیں، جن کی وضاحت ابھی کی گئی، جب تک موجود ہوں گی، انسان کبھی سیدھی راہ پر نہیں آ سکتا۔ اس لیے سیدھی راہ کے پا لینے اور اس پر مضبوطی سے جم جانے کے لیے ضروری ہے کہ انسان کا دل ان تینوں بیماریوں سے پاک ہو۔ سیدھی راہ تو صرف ایک ہی ہے اور وہ یہ کہ انسان خدا کے سوا کسی کا بندہ اور رسول کے سوا کسی کا پیرو نہ ہو، وہ سچے دل سے اس بات پر یقین رکھتا ہو کہ خدا اور اس کے رسول نے جو کچھ بتایا ہے وہی حق ہے، اس کے خلاف جو کچھ ہے وہ باطل ہے، اسے اگر عزت اور سربلندی مل سکتی ہے تو صرف خدا اور اس کے رسول کی اطاعت ہی سے مل سکتی ہے، زندگی کے کسی معاملے میں اگر وہ اس کے سوا کوئی دوسری راہ اختیار کرے گا تو وہ اس کے لیے دنیا میں خرابی کا اور آخرت میں تباہی کا سبب بن جائے گی۔ اسے جب یہ معلوم ہو جائے کہ فلاں مسئلہ کے بارے میں خدا کا حکم یہ ہے تو پھر اس کے آگے فوراً سر جھکا دے، اس کے خلاف کچھ کرنے کی بات سوچے تک نہیں، چاہے دنیا کتنا ہی برا مانے، اپنے اور بیگانے خواہ کچھ کہیں اور بڑوں کی پیشانی پر چاہے جتنے بل پڑ جائیں۔ سب کو اس کا جواب یہی ہوگا کہ میں صرف خدا کا بندہ ہوں، اپنے نفس کا، یا اپنے خاندان کا، یا کسی لیڈر اور پیشوا کا، یا کسی حاکم اور بادشاہ کا بندہ نہیں ہوں۔ سیدھی راہ اور ٹیڑھی راہ، خدا کی سچی بندگی اور جھوٹی بندگی کے فرق کو اور ان کے مفہوموں کو سمجھنے کے لیے قرآن حکیم کی یہ آیتیں غور سے پڑھیے:

لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اٰيٰتٍ مُّبَيِّنٰتٍ ؕ وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ○ وَيَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالرَّسُوْلِ وَاَطَعْنَا ثُمَّ يَتَوَلّٰى فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ؕ وَمَآ اُولٰٓئِكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ ○ وَاِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ○ وَاِنْ يَّكُنْ لَّهُمُ الْحَقُّ يَاْتُوْٓا اِلَيْهِ مُذْعِنِيْنَ ○ اَفِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ اَمِ ارْتَابُوْٓا اَمْ يَخَافُوْنَ اَنْ يَّحِيْفَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَرَسُوْلُهٗ ؕ بَلْ اُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ○ اِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اَنْ يَّقُوْلُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ○ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَخْشَ اللّٰهَ وَيَتَّقْهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ○ (النور:۴۶-۵۲)

''ہم نے (حق اور باطل کو) واضح کرنے والی آیتیں اُتار دی ہیں۔ اللہ جس کو چاہتا ہے ان آیتوں کے ذریعے سیدھا راستہ دکھا دیتا ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ ہم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے ہیں اور ہم نے اطاعت قبول کر لی ہے پھر اس کے بعد ان میں سے بعض لوگ اطاعت سے منہ موڑ جاتے ہیں، ایسے لوگ مومن نہیں ہیں۔ انھیں جب اللہ اور اس کے رسول کی طرف بلایا جاتا ہے تا کہ وہ ان کے مابین فیصلہ کرے تو ان میں سے کچھ لوگ منہ موڑ لیتے ہیں۔ البتہ جب بات ان کے مطلب کی ہو تو پورے جذبۂ اطاعت کے ساتھ اس کی طرف لپک پڑتے ہیں۔ کیا ان لوگوں کے دل میں بیماری ہے؟ یا یہ شک میں پڑے ہوئے ہیں؟ یا ان کو یہ ڈر ہے کہ اللہ اور اس کا رسول ان کی حق تلفی کر جائیں گے؟ نہیں، یہ لوگ خود اپنے اوپر ظلم کرنے والے ہیں۔ حقیقت میں جو مومن ہیں ان کا طریقہ تو یہ ہے کہ جب انھیں اللہ اور اس کے رسول کی طرف بلایا جائے تا کہ وہ ان کے درمیان فیصلہ کر دے تو وہ کہیں ہم نے سنا اور مان لیا۔ ایسے ہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔ اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کریں گے اور اللہ سے ڈرتے اور اس کی نافرمانی سے بچتے رہیں گے بس وہی کام یاب ہوں گے۔''

یہ ہے مومن کی صحیح تصویر، اس سے معلوم ہوا کہ مسلمان وہ ہے، جو اپنے آپ کو خدا کی کتاب اور اس کے رسول کی اطاعت کے سپرد کر دے، جو حکم وہاں سے ملے اس کے آگے سر

جھکا دے، اس کے مقابلے میں نہ وہ اپنے دل کی سنے، نہ خاندان والوں کی اور نہ دنیا والوں کی۔ یہ کیفیت جس میں پیدا ہو جائے وہ مسلم اور مومن ہے۔

# مسلمان کی ذمّے داری

اِسلام کیا ہے اور مسلمان کسے کہتے ہیں؟ یہ بات ہم جان چکے ہیں۔ آیئے اب یہ معلوم کریں کہ مسلمان ہونے کے عملی تقاضے کیا ہیں؟ کلمۂ 'لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ' کا عقیدہ آدمی پر کیا ذمّے داریاں ڈالتا ہے؟ اور اللہ کی مکمل اطاعت اور بندگی کا عہد کر لینے والوں کی زندگی کیسی ہونی چاہیے؟ اس سوال کا اتنا جواب تو پچھلی بحث ہی سے مل جاتا ہے کہ مسلمان کو اللہ اور اس کے رسول کے احکام کی پوری پوری پابندی کرنی چاہیے، یعنی اس کی پوری کی پوری زندگی قرآن اور سنّت کے سانچے میں ڈھلی ہوئی ہو۔ اس سوال کا باقی جواب یہ ہے کہ مسلمان کی ذمّے داری اپنی زندگی کو احکامِ الٰہی کے سانچے میں ڈھال لینے کے سوا کچھ اور بھی ہے، جس کے ادا کیے بغیر وہ اپنے مسلمان ہونے کے تقاضوں کو ہرگز پورا نہیں کر سکتا اور ایسی حالت میں اس کی دنیا اور آخرت دونوں خطرے میں رہیں گی۔ یہ ذمّے داری کیا ہے؟ اسے معلوم کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد سنیے:

وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ؕ (البقرہ: ۱۴۳)

''اور اسی طرح ہم نے تمھیں ایک بہترین امت قرار دیا ہے، تاکہ تم دنیا کے لوگوں پر گواہ ہو اور رسول تم پر گواہ ہوں۔''

اس آیت سے معلوم ہوا کہ مسلمان دنیا کی دوسری قوموں اور جماعتوں سے ایک بالکل الگ قسم کی جماعت ہیں۔ انھیں اللہ تعالیٰ نے ایک ایسی جماعت (امت) بنایا ہے، جس کے وجود کا مقصد دوسرے تمام انسانوں کے سامنے اللہ کے دین کی گواہی دینا ہے۔ اور یہ گواہی ٹھیک اسی طرح دینا ہے، جس طرح اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود ان کے سامنے دی تھی، یعنی ایسی گواہی، جس کے نتیجے میں اللہ کا بھیجا ہوا دین پوری طرح نگاہوں کے سامنے آجائے، تاکہ قیامت کے دن خدا کی عدالت میں لوگ یہ عذر نہ کر سکیں کہ ہمیں اس دین کی خبر ہی نہیں تھی، ہمارے سامنے اسے کھول کر کبھی رکھا ہی نہیں گیا تھا۔ اس لیے ہم اس کی پیروی کرتے تو کیسے کرتے!

یہ ذمّے داری، جو اللہ تعالیٰ نے اس امت پر ڈالی ہے، بڑی ہی بھاری اور اہم ذمّے داری

ہے، اس کی اہمیت سمجھنے کے لیے انبیا علیہم السّلام کے آنے اور ان کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی ہدایت کے بھیجے جانے کے معاملے پر ذرا تفصیل سے نظر ڈالیے۔ تمام آسمانی کتابیں اس بات کو واضح کرتی رہی ہیں کہ دنیا میں جتنے انسان پیدا ہوئے ہیں یا آئندہ قیامت تک پیدا ہوں گے، وہ سب حشر کے میدان میں اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر ہوں گے اور ان سے یہ پوچھا جائے گا کہ وہ دنیا میں کیا کر کے آئے ہیں؟ یہ وقت اُن لوگوں کے لیے بہت بُرا اور پریشانی کا ہوگا، جو اس وقت کے آنے اور اس سوال سے دوچار ہونے کی پرواہی نہ رکھتے ہوں گے اور جنھوں نے دنیا میں اپنی زندگی اللہ کی مرضی کے خلاف گزاری ہوگی۔ یہی وہ برا وقت اور برا انجام ہے، جس سے آگاہ کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ پہلے دن سے اپنے پیغمبروں اور اپنی کتابوں کو بھیجتا رہا ہے۔ سب سے پہلے اس نے حضرت آدم علیہ السلام کو اپنا پیغمبر بنایا اور انھیں اچھی طرح بتادیا کہ خدا کس چیز کو پسند کرتا ہے اور کس چیز کو ناپسند، پھر اس کے بعد وہ برابر اپنے پیغمبر بھیجتا رہا، جو اللہ کے بندوں کو یہ بتاتے رہے کہ خالق کی مرضی کیا ہے؟ اور زندگی کا وہ صحیح طریقہ کون سا ہے، جو اسے پسند ہے؟ انھیں کیا کرنا چاہیے اور کیا نہ کرنا چاہیے؟ اور آخرت میں ان کو نجات اور اللہ کی خوش نودی کس طرح حاصل ہوگی؟ اس طرح پیغمبروں کی ذمّے داری اگر یہ تھی کہ وہ انسانوں کو ٹھیک ٹھیک بتادیں کہ خدا کیا چاہتا ہے اور کیا نہیں چاہتا، تو عام انسانوں کی ذمّے داری یہ تھی کہ وہ اللہ کے ان پیغمبروں پر ایمان لاکر ان کے بتائے ہوئے طریقوں کو اختیار کرلیں۔ چناں چہ قرآن فرماتا ہے کہ قیامت کے دن اپنی اپنی ذمّے داریوں کے بارے میں دونوں ہی سے سوال ہوگا۔ پیغمبروں سے پوچھا جائے گا کہ انھوں نے اپنا کام کس طرح انجام دیا اور لوگوں تک ان کے مالک کے احکام پوری طرح صحیح طریقے سے پہنچادیے تھے یا نہیں؟ اور دوسرے لوگوں سے پوچھا جائے گا کہ تم نے ہمارے ان پیغمبروں کی دعوت کے جواب میں کیا رویّہ اختیار کیا تھا:

فَلَنَسْـَٔلَنَّ الَّذِيْنَ اُرْسِلَ اِلَيْهِمْ وَلَنَسْـَٔلَنَّ الْمُرْسَلِيْنَ ۝ (الاعراف:۶)

''جن لوگوں کے پاس رسول بھیجے گئے ہم ان سے ضرور پوچھیں گے (کہ انھوں نے ان کے پیغام کو قبول کیا یا نہیں) اور ہم رسولوں سے بھی پوچھیں گے (کہ انھوں نے پیغام کو کس حد تک پہنچایا)۔''

یہی وجہ ہے کہ حضرات انبیا علیہم الصّلوٰۃ والسّلام نے اپنی ذمّے داری کو پوری شدّت سے محسوس کیا اور لوگوں تک حق پہنچانے میں کوئی کسر اُٹھا نہیں رکھی۔ یہی ذمّے داری سب سے آخر میں

حضرت محمد ﷺ پر ڈالی گئی تھی اور آپؐ نے اسے پورا کرنے کا حق پوری طرح ادا کر دیا۔ چناں چہ آپ نے آخری حج کے موقعے پر عرفات کے میدان میں لوگوں سے یہ سوال کیا تھا کہ ”بتاؤ میں نے حق تم تک پہنچا دیا یا نہیں؟“ اور جب لوگوں نے ایک آواز ہو کر اس کا اقرار کیا کہ واقعی آپ نے اللہ کا دین ہم تک پہنچا دیا ہے، تو آپؐ نے آسمان کی طرف رُخ کر کے فرمایا: ”اے اللہ! تو گواہ رہ، میں نے تیرا دین تیرے بندوں تک ٹھیک ٹھیک پہنچا دیا ہے۔“ پھر اسی موقعے پر آپؐ نے لوگوں کو یہ تاکید بھی فرمائی کہ دیکھو جو کچھ میں نے تمھیں پہنچایا ہے تم اسے دوسروں تک پہنچا دینا۔

یہ ہے شہادتِ حق کی وہ نازک ذمّے داری، جسے پوری امت مسلمہ کو انجام دینا ہے اور قیامت تک انجام دینا ہے۔ اس لیے مسلمان کا اصل کام اس زندگی میں صرف یہ ہے کہ خدا کا جو دین اور نبی ﷺ کی جو ہدایات اس تک پہنچی ہیں اسے وہ دوسروں تک پہنچاتا رہے اور اس طرح پہنچاتا رہے، جس طرح اللہ کے رسولؐ نے اس تک پہنچایا تھا۔ اسی کا نام اللہ کے دین کی شہادت (گواہی) دینا ہے۔

شہادتِ حق کا یہ فریضہ ادا کرنے کے لیے دو کام ضروری ہیں:

ایک تو یہ کہ ہم اپنی زبان (اور اپنے قلم) سے کام لے کر دنیا پر اس حق کو واضح کر دیں، جو خدا کی کتاب اور رسول اللہ ﷺ کی سنت سے ہم تک پہنچا ہے۔ اس کام کے لیے وہ تمام صورتیں اختیار کرنی ہوں گی، جو دنیا میں اس وقت اپنی بات پہنچانے کے لیے رائج ہیں اور جس کا استعمال کرنا ہمارے لیے جائز اور مناسب ہو۔ یہاں تک کہ دین کی ساری تعلیمات کھل کر لوگوں کے سامنے آجائیں اور وہ سمجھ جائیں کہ اللہ کا یہ دین ہی حق ہے، وہی ان کی زندگی کے سارے معاملات میں صحیح رہ نمائی کر سکتا ہے اور اسی پر چلنے کے نتیجے میں وہ آخرت میں اللہ کی خوش نودی حاصل کر سکتے ہیں۔

دوسرا کام اپنے عمل کی شہادت کا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم اپنی زندگی میں ان تعلیمات کو برت کر دکھائیں، جنھیں ہم حق کہتے ہیں۔ ہمارا برتاؤ، ہمارا اخلاق، ہمارا معاملہ، ہمارا لین دین، غرض یہ کہ ہماری زندگی کا ایک ایک گوشہ اللہ کے دین کا عملی نمونہ بن جائے۔ تاکہ دنیا اسلام کو صرف تقریروں اور تحریروں ہی کے ذریعہ نہ سمجھے، بلکہ ہمارے عمل سے بھی سمجھے۔ وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ لے کہ اس دین کے اختیار کرنے سے کیسے اچھے انسان بنتے ہیں، کیسا پاکیزہ معاشرہ وجود میں آتا ہے، کس قدر ستھرا اور صالح تمدّن پیدا ہوتا ہے، علوم وفنون اور ادب اور آرٹ میں کیسا تعمیری اور مفیدِ انسانیت ارتقا ہوتا ہے، عدل وانصاف اور ہمدردی ومحبت کا کیسا اچھا ماحول پیدا ہوتا ہے، نیکی اور اخلاق کس طرح پروان چڑھتے

ہیں اور برائی کس طرح منہ چھپائے پھرتی ہے۔ اس صورت کا پیدا ہوجانا اور دنیا کی نگاہوں کے سامنے آجانا، اسلام کی صداقت کا ایسا زبردست ثبوت ہوگا، جس کا انکار آسانی سے نہ کیا جاسکے گا۔

زبان اور قلم کی شہادت کے ساتھ جب یہ عمل کی شہادت بھی ادا ہوجائے تب جاکر شہادتِ حق کی وہ بھاری ذمے داری انجام پا سکے گی، جو امتِ مسلمہ پر ڈالی گئی ہے اور وہ اپنے فرض سے سبک دوش ہوسکے گی۔ اس کے بعد بھی جو لوگ حق کو قبول نہ کریں گے اور باطل سے چمٹے رہیں گے وہ اپنی اس روش کے خود ہی پوری طرح ذمّے دار ہوں گے۔ امتِ مسلمہ پر اس کی کوئی ذمّے داری بالکل نہ ہوگی اور آخرت میں خدا کے حضور یہ گواہی دے سکے گی کہ ہم جو کچھ پہنچا سکتے تھے وہ ہم نے ان لوگوں تک پہنچا دیا تھا، اب اگر انھوں نے قبول نہیں کیا تو قصور ان کا ہے، ہمارا نہیں۔ لیکن اگر یہ امت اپنی اس ذمّے داری کو ادا کرنے کی طرف سے غافل رہی تو پھر انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ گم راہ انسانوں کی گم راہی کی ذمّہ داری میں اسے بھی شریک ٹھہرایا جائے اور جب یہ لوگ کل خدا کی عدالت میں یہ عذر پیش کریں گے کہ ہمیں تو کچھ معلوم ہی نہ ہوسکا کہ اللہ کا دین کیا تھا، اس وقت اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے باز پرس کا سامنا کرنا پڑے، جس نے کہ اسے دنیا میں اپنے دین کا امین اور اس کی تبلیغ واشاعت کا ذمّے دار بنایا تھا۔ غور کیجیے، اگر امت اپنے اس فرض کے ادا کرنے میں کوتاہ ثابت ہوئی تو اس کے نتائج کیا ہوں گے؟

لیکن یہاں 'اگر' کا بھی کوئی سوال نہیں۔ اس وقت تو امت کی یہ غفلت اور کوتاہی ایک ٹھوس حقیقت بن کر سب کے سامنے موجود ہے۔ شہادتِ حق کے فریضے کا احساس رکھنے والا دِل یہ دیکھ کر کانپ اٹھتا ہے کہ جس امت کو اللہ کے دین کی قولی اور عملی شہادت دینے کے لیے وقف رہنا چاہیے تھا وہ بالعموم اس کے خلاف شہادت دے رہی ہے۔ اس کی بہت بڑی اکثریت زندگی کے میدان میں تقریباً انھیں راہوں پر بھاگتی چلی جارہی ہے، جن پر دوسری قومیں چل رہی ہیں۔ عام طور پر حال یہ ہے کہ ہمارا عمل تو عمل، ہمارا قول بھی اسلام کی سچی اور پوری شہادت دینے میں بری طرح ناکام ہے۔ بلاشبہ امت میں نیکوں اور دین داروں کا بالکل قحط بھی نہیں ہے۔ لیکن سوال چند فیصد افراد کا نہیں بلکہ بہ حیثیت مجموعی پوری امت کا ہے اور امت کا بہ حیثیتِ مجموعی، جو حال ہے وہ سب پر عیاں ہے۔ اخلاق اور معاملات میں ہمارا حال دوسروں سے کم برا نہیں ہے۔ عقائد بے جان اور جہالت کی نذر ہوکر رہ گئے ہیں، دین کی پابندی اگر ہے بھی تو چند رسموں تک محدود ہے۔ کہنے کو تو مسلمان ہیں مگر ایسے مسلمان ہیں، جو جھوٹ بول سکتے ہیں، چوری کرسکتے ہیں، ظلم کرسکتے ہیں، دھوکا دے سکتے ہیں،

قول وقرار سے پھر سکتے ہیں، دنگا اور فساد کر سکتے ہیں، بے غیرتی اور بے حیائی کے سارے کام کر سکتے ہیں۔ ان کے رہن سہن میں، رسم ورواج میں، تیوہاروں اور عُرسوں میں، جلسوں اور جلوسوں میں ہر وہ لغویت دیکھی جا سکتی ہے، جسے اسلام اور مسلمان کے ماتھے پر کلنک کا ٹیکہ ہی کہا جا سکتا ہے۔ غرض انفرادی اور اجتماعی زندگی کے ایک ایک پہلو کو بگاڑ کر رکھ دیا گیا ہے۔ سوچیے، یہ صورت حال کس درجہ بھیانک ہے! گھروں، محلّوں، دکانوں اور بازاروں سے لے کر سیاست کے میدانوں اور حکومت کے ایوانوں تک، مدرسوں اور خانقاہوں سے لے کر عبادت گاہوں تک، کہیں بھی اسلام کی صحیح تصویر دکھائی نہیں دیتی۔ جن ملکوں میں مسلمان اقلیت میں ہیں اور حکومت کا اختیار دوسروں کو حاصل ہے وہاں کا تو سوال کیا، جہاں مسلمانوں کی اپنی حکومتیں قائم ہیں وہاں بھی انھوں نے اسلامی قوانین کو چھوڑ کر غیر اسلامی قوانین اختیار کر رکھے ہیں۔ اس صورت حال کو دیکھتے ہوئے اس کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ مسلمانوں نے دنیا کے سامنے اللہ کا دین پیش کرنے کے بہ جائے اسے چھپایا ہے اور دنیا اگر خدائی ہدایت کی روشنی سے محروم ہے تو اس کی ذمّے داری میں خود ان کا بھی حصہ ہے۔

دین حق کی گواہی دینے کے سلسلے میں ہم مسلمانوں نے غفلت اور بے توجہی کی، جو روش اختیار کر رکھی ہے وہ قریب قریب ایسی ہے جیسی کہ اس پولیس کی ہوتی ہے، جو لوگوں کی جان ومال کی حفاظت کے بہ جائے خود چوری اور قتل وغارت گری کا بازار گرم کر چکی ہو۔ جب ہماری صورتِ حال یہ ہے تو انصاف کا تقاضا یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کا بھی معاملہ ہمارے ساتھ اسی کے مطابق ہو۔ چناں چہ ایسا ہی ہو رہا ہے۔ ہمارے اس بھاری جرم کی سزا بھی بھاری ہی مقرر ہے۔ اس سزا کا ایک حصہ تو وہ ہے، جو ہمیں ابھی اسی دنیا کے اندر ذلّت ومحکومی کی شکل میں مل رہا ہے۔ اس کا دوسرا حصہ وہ ہوگا، جس سے ہم آخرت میں دوچار ہوں گے۔ اور ظاہر ہے کہ اصل فیصلہ تو وہیں ہوگا اور وہاں کی باز پرس یقیناً بڑی سخت ہوگی۔

اِس سزا اور باز پرس سے بچنے کی تدبیر صرف ایک ہی ہے اور وہ یہ کہ ہمیں اپنی غلطی کا احساس ہو جائے اور ہم اس سزا سے بچنے کی فکر میں لگ جائیں۔ ہم نے ایک عرصے سے اپنی ذمّے داری کو بھلا رکھا ہے، اپنے وجود کی غرض وغایت سے غافل ہو بیٹھے ہیں اور اس کا نتیجہ بھگت رہے ہیں۔ اور جب تک اس ذمّے داری کا حق ادا کرنے کے لیے ہم تیار نہ ہوں گے ہمارا مستقبل اندھیرا ہی رہے گا، اسے اگر روشن بنانا ہو تو ضروری ہے کہ ہم اپنے دین کی طرف پلٹیں، اس سے آدھی تہائی وابستگی کے بہ جائے پوری وابستگی پیدا کریں، اسے واقعی اپنا دین بنائیں، اپنی زندگی کے گوشے گوشے کو اس کے

احکام کے رنگ میں رنگ دیں، اپنے گھروں میں، اپنے خاندان میں، اپنی سوسائٹی میں، اپنے مدرسوں میں، اپنے ادب اور صحافت میں، اپنے کاروبار اور معاشی معاملات میں، اپنی انجمنوں اور قومی اداروں میں اور جہاں ممکن ہو وہاں اپنی حکومتوں میں بھی اس کی ہدایتوں کو نافذ کرلیں۔ اور اپنے قول و عمل سے دنیا کے سامنے اس کی سچی گواہی دیں، اس بات کو شدّت سے محسوس کریں کہ اس گواہی کے فریضے کو چھوڑ دینے کے بعد ہمارے وجود کا کوئی مصرف نہیں رہ جاتا اور بالکل بے معنی ہو کر رہ جاتا ہے۔ احساس فرض کا تقاضا یہ ہے کہ ہم اپنی ساری دل چسپیوں، کوششوں اور فکرمندیوں کا مرکز اسی شہادتِ حق کے کام کو بنالیں، جو کہ ان کے وجود کا اصل مقصد ہے اور پھر ہر اس کام سے کٹ جائیں، جو اس مقصد کے خلاف پڑتا ہو اور جس سے دنیا کے سامنے اسلام کی غلط ترجمانی اور غلط نمائندگی ہوتی ہو۔

# اقامتِ دین

یہ تو آپ جانتے ہی ہیں کہ اللہ کی طرف سے جتنے بھی نبی آئے، ان سب نے اللہ کے بندوں کو ایک اللہ کی بندگی کی دعوت دی اور تمام دوسری بندگیوں سے انھیں آزاد کرایا:

اَنۡ لَّا تَعۡبُدُوۡۤا اِلَّا اللّٰهَ ؕ (ہود:۲۶)

''(نبیوں نے کہا) صرف اللہ کی بندگی کرو، اس کے سوا کسی کی بندگی نہ کرو۔''

ان سب نے کہا کہ حاکم و فرماں روا صرف اللہ ہے، اس کے سوا کسی کو حکم دینے کا حق نہیں، وہی انسان سمیت ساری کائنات کا خالق ہے اور اسی لیے وہی سب کا مالک اور حاکم بھی ہے:

لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الۡاَرۡضِ ؕ (البقرہ:۲۸۴)

''اللہ ہی مالک ہے ان تمام چیزوں کا، جو آسمانوں میں ہیں اور ان سب کا، جو زمین میں ہیں۔''

اَلَا لَهُ الۡخَلۡقُ وَالۡاَمۡرُ ؕ (الاعراف:۵۴)

''اسی کے لیے تخلیق ہے (اس نے کائنات اور انسان کو پیدا کیا ہے) اور اسی کے لیے حاکمیت ہے۔''

انھوں نے بتایا کہ پرستش اور عبادت کا مستحق بھی اللہ ہی ہے اور اطاعت و غلامی کا بھی۔

اِتَّبِعُوۡا مَاۤ اُنۡزِلَ اِلَيۡكُمۡ مِّنۡ رَّبِّكُمۡ وَلَا تَتَّبِعُوۡا مِنۡ دُوۡنِهٖۤ اَوۡلِيَآءَ ؕ
(الاعراف:۳)

''تمھارے رب کی طرف سے، جو (دین اور قانون) تمھاری طرف نازل کیا گیا ہے اس کی پیروی کرو اور اس کے سوا کسی اور کو خدا نہ بناؤ کہ اس کی پیروی کرنے لگو۔''

گویا اللہ کو رب ماننے کا مطلب یہ ہے کہ اس کے قانون کو صحیح قانون مانا جائے، اس کا اتباع کیا جائے اور کسی ایسے قانون کو صحیح باور نہ کیا جائے، جو اللہ کی طرف سے یا اس کے قانون کے تحت نہ ہو، ایسے کسی قانون کو صحیح باور کر کے اس کا اتباع کرنا شرک ہے اور صاحبِ قانون کو خدا بنانے کے مترادف ہے۔ اللہ کا دین اس کے سوا کچھ نہیں کہ پوری انسانی زندگی احکامِ الٰہی کے تابع ہو جائے اور زندگی کا کوئی حصہ بھی غیر اللہ کی تابع داری میں بسر نہ ہو:

قُلْ اِنَّنِیْ هَدٰىنِیْ رَبِّیْۤ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۚ۬ دِیْنًا قِیَمًا مِّلَّةَ اِبْرٰهِیْمَ حَنِیْفًا ۚ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ○ قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُكِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ○ لَا شَرِیْكَ لَهٗ ۚ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ ○ (الانعام: ۱۶۱-۱۶۳)

''(اے نبیؐ!) کہو، یقیناً میرے رب نے مجھے صراطِ مستقیم کی ہدایت کی ہے، دین قیم کی، جو ابراہیم حنیف کا مسلک ہے اور ان کا شرک سے کوئی تعلق نہ تھا۔ کہو، یقیناً میری نماز، میری قربانی، میرا جینا اور میرا مرنا اللہ ہی کے لیے ہے، جو ربّ العالمین ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں، اسی کا مجھے حکم ملا ہے اور میں سب سے آگے بڑھ کر مسلم (فرماں بردار) بنتا ہوں۔''

حقیقت یہ ہے کہ اللہ کا دین- اسلام- انسان کی پوری زندگی کے لیے ہے:

اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ ۫ (آل عمران: ۱۹)

''اللہ کے نزدیک (انسانوں کے لیے) صحیح دین صرف اسلام ہے۔''

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِی السِّلْمِ كَآفَّةً ۪ (البقرہ: ۲۰۸)

''اے ایمان لانے والو! (اللہ و رسول کی اطاعت میں) سب کے سب اور پورے کے پورے داخل ہو جاؤ۔''

زندگی کے تمام معاملات- اجتماعی ہوں یا انفرادی- اسی دین سے درست ہوتے ہیں، اسی دین نے ہمیں یہ بتایا کہ ہم خدا، آخرت، رسولوں، فرشتوں اور خدا کی کتابوں کے بارے میں کیا عقیدہ رکھیں، اس نے ہمیں یہ بھی بتایا کہ عبادت کس کی کریں اور کیسے کریں، اس نے یہ بھی واضح

کیا کہ بندے کا خدا سے صحیح تعلق کیا ہے اور اسے کیسے استوار کیا جائے، اس دین نے یہ بھی بتایا کہ ہمارے اخلاق کیسے ہوں اور ہم زندگی کو اخلاقی اصولوں کے سانچے میں کس طرح ڈھالیں، اس دین سے ہمیں یہ بھی معلوم ہوا کہ ہمارے باہمی تعلقات کس طرح ہوں، انسانوں کے ایک دوسرے پر حقوق کیا کیا ہیں اور زندگی کے مختلف میدانوں میں مختلف افراد اور اشیا کی نسبت سے ان پر کیا ذمّے داریاں آتی ہیں، اس نے تجارت، لین دین اور معاشیات کے معاملے میں بھی ہماری صحیح رہ نمائی کی، اس نے معاشرت، معاملات اور سیاست میں بھی ہماری ہدایت کا سامان کیا، اس نے ہمیں بتایا کہ سماج کی اصلاح، ملکی نظم و نسق کی بہتری اور حکم رانی و فرماں روائی کے صحیح اور عادلانہ اصول کیا ہیں، غرض زندگی کے تمام انفرادی و اجتماعی معاملات میں ہمیں وہ راہ دکھائی، جس پر چل کر ہم دنیا میں کام یاب و سر بلند اور آخرت میں ابدی کام رانی سے ہم کنار ہو سکتے ہیں۔

دین کا یہ وسیع مفہوم اگر آپ کے ذہن میں اوجھل نہ ہو تو آپ بہت آسانی سے اس حقیقت کو پا سکتے ہیں کہ اسلام کی کما حقہ پیروی کے لیے جہاں یہ بات ضروری ہے کہ فرد کا تزکیہ ہو، جہاں یہ ضروری ہے کہ سماج کی اصلاح کی جائے وہیں یہ بات بھی ضروری ہے کہ حکومت کی اصلاح ہو اور باطل ادیان اور مہلک نظام ہائے زندگی کے بہ جائے اللہ کا دین اور اللہ کا نازل کردہ قانون دنیا میں نافذ و غالب ہو۔ بہ صورت دیگر زندگی کا بہت بڑا حصہ غلط قوانین کی نذر ہو جائے گا اور ہم زندگی کے بہت تھوڑے سے حصے میں اللہ کی بندگی اور اس کے دین کی پیروی کر سکیں گے۔ اور وہ بھی اس وقت اور اس حد تک جس وقت اور جس حد تک وقت کا نظام حکومت ہمیں اس کی اجازت دے۔

یہی وجہ ہے کہ اللہ کے آخری نبی حضرت محمدؐ دنیا میں صرف اس لیے نہیں آئے تھے کہ اللہ کا پیغام لوگوں تک پہنچا دیں بلکہ اس لیے آئے تھے کہ اس دین کو دنیا کے تمام دینوں اور نظاموں پر غالب کر دیں:

هُوَ الَّذِيٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۙ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ۝ (الصّف:۹)

”وہ اللہ ہی ہے، جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تاکہ اسے تمام دینوں پر غالب کر دے۔ اگر چہ مشرکین کو یہ بات کتنی ہی ناگوار ہو۔“

دین کو غالب کرنے کا یہ کام، جو اللہ کے آخری رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا مقصد تھا، اس کے لیے ضروری تھا کہ ایک منظم گروہ آپ کے ساتھ ہو اور وہ اس مقصد کے حصول کے لیے اپنی زندگی اور زندگی کی تمام قوتیں لگا دے۔ اِسی لیے امتِ مسلمہ کے وجود کا مقصد یہ قرار پایا کہ وہ دنیا میں

اللہ کے دین کو غالب کرنے کی جدوجہد کرتی رہے تا آں کہ زمین کے ایک ایک چپے پر زمین کے حقیقی فرماں روا- اللہ- کا قانون جاری و نافذ ہوجائے، چناں چہ مذکورہ بالا آیت کے فوراً بعد ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ تُنْجِيْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ○ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ○ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَيُدْخِلْكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ○ وَاُخْرٰى تُحِبُّوْنَهَا ؕ نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَفَتْحٌ قَرِيْبٌ ؕ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ○ (الصّف:۱۰-۱۳)

”اے ایمان لانے والو! کیا میں تمھیں ایسا کاروبار بتاؤں، جو تمھیں (اللہ کے) دردناک عذاب سے نجات دے؟ (وہ کاروبار یہ ہے کہ) تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اللہ کی راہ میں اپنے مال اور اپنی جان سے اَن تھک جدوجہد کرو یہی بات تمھارے لیے بہتر ہے بشرطے کہ تم علم رکھتے ہو۔ اس صورت میں اللہ تمھارے گناہوں کو معاف کردے گا اور تمھیں ایسی جنتوں میں پہنچائے گا، جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی اور ہمیشہ کی جنتوں کے عمدہ محلاّت ہیں، یہی عظیم الشان کام رانی ہے۔ اور ایک اور چیز عطا فرمائے گا، جو تمھیں محبوب ہے یعنی اللہ کی مدد اور قریبی فتح اور (اے نبیؐ!) اہلِ ایمان کو بشارت دو!“

یہ آیات ہمیں بتاتی ہیں کہ دنیا و آخرت کی ناکامی اور اللہ کے عذابِ الیم سے بچنے اور دنیا و آخرت کی کام رانی اور اللہ کی نصرت، رحمت، مغفرت اور جنت کے حصول کا راستہ صرف یہ ہے کہ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاکر اس کی راہ میں اَن تھک جدّوجہد کی جائے اور 'اللہ کی راہ میں جدّوجہد' کا اس کے سوا کوئی مطلب نہیں کہ انسان پورے خلوص اور کامل یکسوئی کے ساتھ اللہ کے دین کی پیروی، اس کی دعوت و اشاعت اور اسے غالب کرنے کی مہم میں لگ جائے اور اس کے لیے اپنی تمام صلاحیتیں، قوتیں اور اپنے سارے ذرائع و وسائل صرف کردے۔

اللہ کے دین کی پیروی، اس کی دعوت و اشاعت اور اسے غالب کرنے کی جدّوجہد کو دوسرے الفاظ میں 'اقامتِ دین' کہتے ہیں۔ قرآن مجید سے معلوم ہوتا ہے کہ یہی 'اقامتِ دین' ہر دور میں دینِ حق کے آنے کا مقصد رہا ہے۔ انبیا علیہم السّلام اسی مقصد کے حصول کے لیے آتے رہے اور اہلِ ایمان سے کہا گیا کہ وہ اس مقصد کے حصول کے لیے متفقہ جدّوجہد کریں اور انتشار و اختلافات سے بچیں:

شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ

وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ ؕ (الشوریٰ: ۱۳)

''تمھارے لیے اللہ نے وہی دین مشروع کیا ہے، جس کی تاکید اس نے نوحؑ کو کی تھی اور جس کی وحی (اے محمدؐ) ہم نے تم کو کی ہے اور جس کی تاکید ہم نے ابراہیمؑ، موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کو کی تھی کہ (اس) دین کو قائم کرو اور اس معاملے میں تفرقے کا شکار نہ ہو جاؤ۔''

حقیقت یہ ہے کہ امتِ مسلمہ کے وجود کا ایک ہی مقصد ہے اور وہ یہ کہ وہ متحد و متفق ہو کر اللہ کے دین کی پیروی، اللہ کے دین کی دعوت اور اسے غالب کرنے کی جدّوجہد کرے بالفاظِ دیگر 'اقامتِ دین' کو اپنا مقصدِ وجود اور اپنا نصب العین بنائے اور اسی ایک مقصد و نصب العین کے حصول کے لیے اپنی ساری صلاحیتیں اور قابلیتیں لگا دے۔ جب تک امتِ مسلمہ اقامتِ دین کو اپنا نصب العین نہیں بناتی اور متحد و متفق ہو کر اس کے حصول کے لیے جدوجہد نہیں کرتی، اس کے مسائل لاینحل رہیں گے، وہ دنیا میں ناکام و نامراد رہے گی، نوعِ انسانی کو ناکامی و نامرادی سے بچا نہ سکے گی، آخرت میں اللہ کے حضور سرخرو نہ ہو سکے گی اور اس جرم میں پکڑی جائے گی کہ مسلمان ہونے کا دعویٰ کرنے کے باوجود اس نے اسلام کی پیروی، اس کی دعوت اور اس کی اقامت کا حق کیوں ادا نہیں کیا۔

اقامتِ دین کا یہ کام اسی وقت ہو سکتا ہے جب ہر مسلمان اپنی پوری زندگی میں اللہ کے دین کی پیروی کرے اور مسلمان انفرادی و اجتماعی طور پر اللہ کے دین کے پیغام کو بندگانِ خدا تک پہنچانے میں شب و روز لگے رہیں تا آں کہ ان کی سمجھ میں یہ آ جائے کہ ان کی دنیوی کامرانی اور اُخروی نجات و فلاح اللہ کے دین کو قبول کرنے اور اس کی پیروی کرنے میں ہے اور وہ یہ فیصلہ کریں کہ نظامِ حکومت سمیت زندگی کا پورا نظام اللہ کے دین کے مطابق ہونا چاہیے۔

# جماعتِ اسلامی ہند: مقصد و طریقہ کار

گزشتہ صفحات میں یہ بات واضح کی جا چکی ہے کہ ہر مسلمان اور پوری ملتِ اسلامیہ کا مقصدِ وجود ایک ہی ہے اور وہ ہے اللہ کے دین کی سچی شہادت اور پوری اقامت۔ یہ ایک تکلیف دہ حقیقت ہے کہ مسلمان بالعموم اپنے اس حقیقی نصب العین سے غافل ہیں اور غلط مقاصد و اعمال

میں اپنی زندگیاں کھپا رہے ہیں۔ اس کے نتیجے میں وہ دنیا میں بھی تعمیری کام نہیں کر رہے ہیں اور اپنی آخرت کو بھی برباد کر رہے ہیں۔

جماعت اسلامی دراصل امتِ مسلمہ کے اس بھولے ہوئے فرض کو یاد دلا رہی ہے، دوسرے بندگانِ خدا کو اس کی طرف بُلانے کے لیے وجود میں آئی ہے۔ اللہ کے دین کو قائم کرنا ہی اس کا نصب العین ہے۔ وہ مسلمانوں کو یاد دلاتی ہے کہ یہی نصب العین ان کا حقیقی نصب العین ہے، اس لیے انھیں ہر طرف سے کٹ کر اسی ایک کام کے لیے یکسو ہو جانا چاہیے۔ غیر مسلموں کو وہ اس حقیقت سے آگاہ کرتی ہے کہ ان کی دنیوی کامرانی اور اُخروی نجات و فلاح اللہ کے بھیجے ہوئے دینِ حق اسلام سے وابستہ ہے، اس لیے انھیں اسلام کی دعوت پر سنجیدگی سے غور کرنا چاہیے اور کھلے دماغ سے اس کی صداقت کا جائزہ لینا چاہیے۔

جماعتِ اسلامی ہند کا ایک دستور ہے، جس کے تحت جماعت کا سارا کام انجام پاتا ہے۔ یہ دستور جماعت کے ارکان کے منتخب نمائندوں کا منظور کردہ ہے۔ اس دستور میں جماعت کے نصب العین کا ذکر اس طرح ہے:

> ''جماعتِ اسلامی ہند کا نصب العین اقامتِ دین ہے، جس کا حقیقی محرک صرف رضائے الٰہی اور فلاحِ آخرت کا حصول ہے۔''

اقامتِ دین میں لفظ 'دین' سے مراد وہ دینِ حق ہے، جسے اللہ رب العالمین اپنے تمام انبیا کے ذریعے مختلف زمانوں اور مختلف ملکوں میں بھیجتا رہا ہے اور جسے آخری اور مکمل صورت میں تمام انسانوں کی ہدایت کے لیے اپنے آخری نبی حضرت محمد ﷺ کے ذریعے نازل فرمایا اور جو اب دنیا میں ایک ہی مستند، محفوظ اور عند اللہ مقبول دین ہے اور جس کا نام اسلام ہے۔

یہ دین انسان کے ظاہر و باطن اور اس کی زندگی کے تمام انفرادی و اجتماعی گوشوں کو محیط ہے۔ عقائد، عبادات اور اخلاق سے لے کر معیشت، معاشرت اور سیاست تک، انسانی زندگی کا کوئی ایک شعبہ بھی ایسا نہیں ہے، جو اس کے دائرے سے خارج ہو۔ یہ دین جس طرح رضائے الٰہی اور فلاحِ آخرت کا ضامن ہے اسی طرح دنیوی مسائل کے موزوں حل کے لیے بہترین نظامِ زندگی بھی ہے اور انفرادی و اجتماعی زندگی کی صالح اور ترقی پزیر تعمیر صرف اسی کے قیام سے ممکن ہے۔

اِس دین کی اقامت کا مطلب یہ ہے کہ کسی تفریق و تقسیم کے بغیر اس پورے دین کی

مخلصانہ پیروی کی جائے اور ہر طرف سے یکسو ہوکر کی جائے، اور انسانی زندگی کے انفرادی و اجتماعی تمام گوشوں میں اسے اس طرح جاری و نافذ کیا جائے کہ فرد کا ارتقا معاشرے کی تعمیر اور ریاست کی تشکیل سب کچھ اسی دین کے مطابق ہو۔

اس دین کی اقامت کا مثالی اور بہترین عملی نمونہ وہ ہے، جسے حضرت محمد ﷺ اور حضراتِ خلفائے راشدین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے قائم فرمایا۔

(دستور جماعتِ اسلامی ہند، دفعہ ۴، عنوان 'نصب العین')

## طریقِ کار

اِس نصب العین کے حصول کے لیے جماعتِ اسلامی ہند نے، جو طریقۂ کار اختیار کیا ہے، وہ تبلیغ واشاعتِ افکار اور افہام وتفہیم کا طریقہ ہے نہ کہ جبر وتشدّد کا۔ یہ بات دستورِ جماعت کی اس دفعہ میں صراحتاً بیان کردی گئی ہے، جو جماعت کا طریقِ کار واضح کرتی ہے:

(۱) قرآن اور سنت جماعت کی اساسِ کار ہوں گی۔ دوسری ساری چیزیں ثانوی حیثیت سے صرف اس حد تک پیشِ نظر رکھی جائیں گی، جس حد تک قرآن وسنت کی رو سے ان کی گنجائش ہو۔

(۲) جماعت اپنے تمام کاموں میں اخلاقی حدود کی پابند ہوگی اور کبھی ایسے ذرائع اور طریقے استعمال نہ کرے گی، جو صداقت و دیانت کے خلاف ہوں۔ جن سے فرقہ وارانہ منافرت، طبقاتی کش مکش اور فساد فی الارض رونما ہو۔

(۳) جماعت اپنے نصب العین کے حصول کے لیے تعمیری اور پرامن طریقے اختیار کرے گی یعنی وہ تبلیغ وتلقین اور اشاعتِ افکار کے ذریعے ذہنوں اور سیرتوں کی اصلاح کرے گی اور اس طرح ملک کی اجتماعی زندگی میں مطلوبہ صالح انقلاب لانے کے لیے رائے عامّہ کی تربیت کرے گی۔"

(دستور جماعت اسلامی ہند، دفعہ ۵، شق ۱، ۲، ۳)

## کرنے کے کام

آزادی کے بعد ہندوستان کے بدلے ہوئے حالات میں جماعت اسلامی ہند نے ایک نیا فکری ڈسکورس کھڑا کیا۔ اقامت دین کی جدوجہد کے تقاضے نئے ہندوستان میں کیا ہوں؟ یہ بڑا اہم سوال تھا۔ جماعت اسلامی ہند نے مسلسل غور وفکر کے نتیجے میں اس سوال کا جواب درج ذیل نکات کی صورت میں دیا اور ان پر اپنی توجہ مرکوز کی:

۱- ملک میں کرنے کا سب سے اہم کام دعوتِ دین کا کام ہے۔ اس ملک کی آبادی اسلام کو جانے، سمجھے، اسلامی عقائد اور اسلامی نظام زندگی کی معقولیت کا اسے احساس ہو۔ ملک کی رائے عامہ کی تربیت ہو۔ یہ کام سب سے اہم کام ہے۔ جب تک یہ کام قابل لحاظ حد تک انجام نہ پا جائے اقامت دین کا کوئی امکان نہیں ہے۔ یہ کام جماعت کو بھی کرنا چاہیے اور عام مسلمانوں کو بھی۔ اقامت دین کی منزل کی سمت سب سے اہم ہدف جو حاصل کرنا ہے وہ یہی ہے کہ ملک کی بڑی آبادی کے سامنے اسلام کی دعوت پہنچ جائے۔

۲- دوسرا اہم کام جو اقامت دین کی بڑی ضرورت بن گیا وہ خود مسلمانوں کی اصلاح کا کام ہے، یعنی ان کے معاشرہ کو اسلام کا نمونہ بننا چاہیے۔ اسلام کی عملی شہادت کا ذریعہ بننا چاہیے۔

۳- تیسرا ضروری کام یہ ہے کہ مسلمانوں کی سماجی قوت بڑھے، ان کے مسائل حل ہوں اور ان کے اندر متاثر کرنے اور قائدانہ کردار ادا کرنے کی صلاحیت پیدا ہو۔ غیر مسلموں کے اسلام کی طرف رجوع کی راہ میں جو عوامل رکاوٹ بنتے ہیں، ان میں ایک اہم عامل خود ملت اسلامیہ کی اخلاقی و دینی کم زوری اور سماجی پستی ہے۔ اس لیے اقامت دین کی راہ میں کرنے کا ایک اہم ترین کام ملت کی صورت حال کو بہتر بنانا ہے۔ صورت حال کو بہتر بنانے کا مطلب ملت اسلامیہ کی دینی و اخلاقی اصلاح بھی ہے اور وہ کام بھی ہے جسے امپاورمنٹ کہا جاتا ہے۔

۴- ایک اور ضروری کام یہ ہے کہ ملک میں عدل و انصاف اور امن و امان قائم رہے۔ جہاں مکمل دین کا نفاذ فوری ممکن نہیں ہے، وہاں دین کی تعلیم یہی ہے کہ فوری طور پر امن و امان اور عدل و انصاف کے ذریعہ دارالامن کے قیام کی کوشش کی جائے۔ یعنی ملک ایک ایسا دارالامن بنے جہاں سب کو انصاف ملے۔ امن ہو۔ مذہب پر عمل، اس کی تبلیغ و اشاعت، اور اسلام سے وابستگی میں کوئی بڑی رکاوٹ درپیش نہ ہو اور مسلمان بھی اپنے تحفظ، سلامتی اور دفاع کے بنیادی مسئلہ میں الجھ کر نہ رہ جائیں بلکہ اپنی منصبی ذمہ داریوں کی طرف یکسوئی سے متوجہ ہو سکیں۔

۵- یہ ضروری ہے کہ تحریک کا ڈسکورس یا اس کا بیانیہ بھی ان نئی ضرورتوں سے ہم آہنگ ہو۔ دعوت دین کی ضرورت کا تقاضا ہے کہ اسلام کے اجتماعی نظام کے ساتھ اسلام کے بنیادی عقائد وغیرہ پر بھی پوری طاقت کے ساتھ بحث اٹھائی جائے۔ مغربی افکار پر تنقید میں بدلے ہوئے فکری منظر نامہ کا لحاظ رکھا جائے اور اس کے ساتھ ہندوستانی مذاہب، معتقدات، فلسفوں اور افکار کو بھی زیرِ بحث لایا جائے۔ ان میں سے بعض کام ہوئے ہیں اور بہت سے کام ابھی ہونا باقی ہیں۔